بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

الْحَمْدُ لِلهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلَى خَاتَمِ الأَنْبِيَاءِ وَالْمُرْسَلِين نَبِيِّنَا مُحَمَّدٍ وَعَلَى آلِهِ وَصَحْبِهِ أَجْمَعِين، أَمَّا بَعْدُ:

006: قطف الجنی الدانی شرح مقدِّمة رسالة ابن أبی زید القیروانی

"قطف الجنى الداني شرح مقدِّمة رسالة ابن أبي زيد القيرواني رحمه الله": لشيخ العلامہ عبد المحسن العباد البدر حفظه الله۔

آج کے درس میں ہم مقدمے میں سے جو پانچواں فائدہ ہے یہیں سے درس کا آغاز کرتے ہیں لیکن اس سے پہلے پچھلے درس کے تعلق سے میرے دو سوال ہیں:

سوال 1: جو پچھلا قاعدہ تھا قاعدہ نمبر 4 ہم نے کہا تھا: "الكلام في الصفات فرعٌ عن الكلام في الذات، والقول في بعض الصفات كالقول في البعض الآخر": یہ قاعدہ جو ہے یا یہ فائدہ جو ہے (یہ فائدہ سمجھ لیں ایک قاعدہ ہے) سب سے پہلے اس قاعدے کے تعلق سے کس عالم نے بات کی ہے؟ وہ کون سا عالم ہے جس نے اس قاعدے کو ایجاد کیا سمجھ لیں پہلا سوال یہ ہے۔

جواب: شیخ الاسلام ابن تیمیہ رحمہ اللہ۔ ابن تیمیہ رحمہ اللہ نے کس کتاب میں خصوصی طور پر؟ التدمریہ میں۔

تدمریہ کیا ہے؟ عقیدے کی ایک کتاب ہے۔

"الواسطية، الحموية، التدمرية": یہ تینوں جو ہیں ان میں عقیدے کے اصول بیان کیے گئے ہیں عمومی طور پر اور خصوصی طور پر اسماء وصفات کے عقیدے پر فوکس (Focus) کیا گیا ہے۔

سوال 2: دوسرا سوال کہ یہ قاعدہ شیخ الاسلام نے کیوں بیان کیا ہے؟

جواب: اہل باطل میں سے دو گروہوں کا ردّ ہے۔

کون سے دو گروہ ہیں؟ جہمیة، معتزلة اور اشاعرة، ماتریدیة۔

- جہمیۃ کا معتزلۃ کا یا جہمیۃ کا کیسے ردّ ہے اس میں؟ جہمیۃ کا اسماء وصفات کے باب میں کیا عقیدہ ہے؟ مکمل انکار (سمپل (simple) سا جواب ہے کہ جہمیۃ کا اسماء وصفات کے باب میں جو عقیدہ ہے مکمل انکار) یعنی اللہ تعالیٰ کا نہ کوئی نام ہے نہ کوئی صفت ہے۔

اور دوسری طرف جو معتزلۃ ہیں وہ کہتے ہیں کہ اسماء کو مانتے ہیں اپنی عقل کی بنیاد پر اور تمام صفات کا انکار کرتے ہیں؛ تو یہ بھی معطلۃ میں سے ہیں انکار کرنے والوں میں سے ہیں یہ بھی جہمیۃ کے ساتھ ہیں ایک طرف۔

- دوسری طرف بعض صفات کا اقرار ہے اور بعض صفات کا انکار ہے" اشاعرة، ماتریدیة"۔

تو ان کے جواب میں یہ قاعدہ بیان کیا گیا ہے آپ اس قاعدے سے جہمیۃ کا ردّ کیسے کریں گے؟ جو قاعدہ بیان کیا گیا ہے میں سمپل بتاتا ہوں:

"القول في الصفات كالقول في الذات": جو آپ صفات کے بارے میں بات کرتے ہیں وہی بات آپ ذات کے تعلق سے کرتے ہیں ان دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔

دوسرے لفظوں میں اگر آپ اللہ تعالیٰ کی ذات کو ثابت کرتے ہیں تو اسی بنیاد پر آپ کو اللہ تعالیٰ کی صفات کو بھی ثابت کرنا پڑے گا۔

یہ کس گروہ کا ردّ ہے اور کیسے ردّ ہے کوئی مجھے بتا سکتا ہے؟

(۱) جہمیۃ اور معتزلۃ کا ردّ ہے۔

(۲) کیسے ردّ ہے؟ وہ ذات کو مانتے ہیں اور صفات کا انکار کرتے ہیں۔

اس سے کیا مراد ہے کہ ذات کو مانتے ہیں؟ وہ کون سی چیز ہے جو ذات میں موجود ہے اور صفات میں بھی موجود ہے تاکہ اُس کا ردّ نہ کیا جائے؟ وجود ذات یعنی موجود ہے۔ سمجھیں ذرا پلیز میں چاہتا ہوں کہ سب یہ جواب دیں یہ جواب سب کو آنا چاہیے میں نے بار بار بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ موجود ہے کہ نہیں؟ موجود ہے۔

کسی کافر کو یا اہل بدعت کو اس پر اعتراض ہے یا انکار ہے کسی کا؟ نہیں! یہودی انکار کرتے ہیں یا نصاریٰ انکار کرتے ہیں اللہ تعالیٰ کے وجود کا؟ کافر بھی نہیں کرتے یہ۔

تو جو اہل بدعت ہیں ہم اُن سے یہ سوال کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا مکمل انکار کرتے ہیں کہ:

- اللہ تعالیٰ کی ذات موجود ہے کہ نہیں جواب کیا ہے؟ موجود ہے۔
- دوسرا سوال کہ کیا مخلوقات موجود ہیں کہ نہیں؟ موجود ہیں۔
- دونوں میں تشابہ لازم آتا ہے؟ نہیں آتا۔
- خالق کا وجود اور مخلوق کا وجود کوئی تشبیہ لازم آتی ہے؟ نہیں آتی۔

وہ کیا کہتے ہیں اسے تو مانتے ہیں نا؟! جو ذات کو ماننے والا ہے یقیناً وہ یہ کہتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات مخلوق کی ذات جیسی نہیں ہے جیسے کہتے ہیں نا کہ آپ نے اِن کے اپنے قاعدے کو اُن پر لاگو کر دینا؛ اب اللہ تعالیٰ کی صفات ہیں اور مخلوقات کی صفات بھی ہیں تم نے تمام صفات کا انکار کر دیا ہے وجہ کیا ہے؟ کہ تشبیہ لازم آتی ہے۔

یہ قاعدہ ہے کہ: "جب ذات کے وجود میں تشبیہ لازم نہیں ہے تمہارے نزدیک تو صفات کی موجودگی میں تشبیہ لازم تم لوگ کیوں کر رہے ہو؟!"۔ واضح ہو گیا؟ یہ کس کا ردّ ہے؟ جہمیۃ اور معتزلۃ کا جو اللہ تعالیٰ کی صفات کا مکمل انکار کرتے ہیں۔

دوسری طرف آتے ہیں اشاعرۃ اور ماتریدیۃ انہوں نے کہا کہ بعض صفات کو مانتے ہیں اور بعض کو نہیں مانتے تو جن بعض صفات کو تم لوگوں نے مانا ہے اور جس بنیاد پر مانا ہے بغیر تشبیہ کے باقی صفات کو تم لوگ کیوں نہیں مانتے بغیر تشبیہ کے؟!

قاعدہ ایک ہونا چاہیے نا ترازو ایک ہونا چاہیے نا؟!

(۱) جیسے ترازو وجود کے اعتبار سے کہ خالق موجود ہے اللہ تعالیٰ کی ذات موجود ہے اسی ترازو کو صفات پر بھی کرو نا صفات کو اسی ترازو پر تولو، جب خالق اور مخلوق میں تشبیہ لازم نہیں آتی وجود کے اعتبار سے تو خالق اور مخلوق میں صفات کے اعتبار سے بھی تشبیہ لازم نہیں ہونی چاہیے۔

(۲)اسی طریقے سے بعض صفات کا اقرار کرنا اور ان صفات میں آپ لوگ کہتے ہیں کہ تشبیہ نہیں ہے "اللہ تعالیٰ کا علم ہے، اللہ تعالیٰ کی حیات ہے، اللہ تعالیٰ کی قدرت ہے، اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہے، سمع، بصر، اور کلام ہے" یہ سات صفات اشاعرۃ کہتے ہیں کہ ہم مانتے ہیں تو اللہ تعالیٰ کا کرم ہے اللہ تعالیٰ الرحمٰن الرحیم ہے العزیز الجبار ہے اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھ ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے؟ کہتے ہیں کہ ہم یہ نہیں مانتے! کیوں؟ کہتے ہیں کہ:

- جب رحم کرنے کی بات آتی ہے تو کہتے ہیں کہ مخلوق بھی رحم کرتی ہے اُس کے لیے دل کا ہونا لازمی ہے اُس کے لیے یہ ہونا لازمی ہے، زبان کی بات ہوتی ہے کلام کی۔ تو ہم یہ کہتے ہیں کہ جو چیزیں تم نے مانی ہیں اقرار کیا ہے ان صفات کا اور کہا ہے کہ تشبیہ لازم نہیں آتی ان میں تو جو باقی صفات ہیں کہ اللہ کی رحمت ہے اللہ کا کرم ہے اللہ تعالیٰ کی عزت ہے اللہ تعالیٰ کی شان ہے اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھ ہیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ شایان شان ہے تو یہ قاعدہ ان میں اپلائی کیوں نہیں کرتے ان میں تشبیہ لازم کہاں سے آگئی ہے؟! واضح ہے نا؟
- سمع اور بصر مانتے ہیں اللہ تعالیٰ سمیع اور بصیر ہے مانتے ہیں کیونکہ کہتے ہیں کہ جو زندہ ہے وہ سنتا بھی ہے دیکھتا بھی ہے، مخلوق زندہ ہے سنتی بھی ہے اور دیکھتی بھی ہے، کہتے ہیں کہ دونوں میں فرق ہے سمع اور بصر میں خالق اور مخلوق میں فرق ہے اور ان میں تشبیہ لازم نہیں آتی؛ عجب ہے! تو یہی قاعدہ باقی صفات میں کیوں نہیں اپناتے تم لوگ؟! واضح ہو گیا؟

کتنا خوبصورت قاعدہ ہے یہ عقلی قاعدہ ہے، انہوں نے عقل کو آگے کر کے ان میں فرق بیان کیا ہے اور اس پر سمجھا ہے کہ ہم مضبوط ہو چکے ہیں تو اسی ایک قاعدے نے دونوں کی دونوں عمارتیں گرادی ہیں کہ عقل کی بات کرتے ہو تو چلو عقلی قاعدہ دیتے ہیں تمہیں، تمہیں قرآن اور سنت کی باتیں سمجھ نہیں آتیں چلو عقل کی بنیاد پر تمہیں یہ قاعدہ دے دیا ہے یہ تمہارا دیا ہوا ترازو ہے کہ ذات کو مانتے ہو صفات کا انکار کرتے ہو تو وجود کا اعتبار بغیر تشبیہ کے اور صفات کا اعتبار بغیر تشبیہ کے ہونا چاہیے۔

ردّ تھا لیکن یہ قاعدہ اس طریقے سے بیان نہیں کیا گیا تھا کہ یہ ترازو یہ قاعدہ ہے، ردود تو موجود تھے شروع سے اور لازم پکڑتے تھے دلیل کی روشنی میں پکڑ لیتے تھے اور عقل کی بات سے بھی جیسا کہ خود امام ابوالحسن اشعری رحمہ اللہ جو ہیں جب یہ ردّ کرتے تھے معتزلۃ کا جو پہلے خود معتزلی تھے چالیس سال پھر توبہ کر کے جب اُن سے مناظرہ کر کے کلابیہ کا مذہب اپنا لیا تو اُن کا ردّ کرتے تھے پھر خود جب آخر میں دیکھا کہ یہاں بھی بڑی مصیبتیں ہیں کہ کیسے ممکن ہے بعض صفات کو مانا جائے اور بعض کا انکار کیا جائے اس لیے پھر آخر میں ان سے بھی انہوں نے برأت کا اعلان کیا ہے۔

تو آج کے درس میں کچھ ان کے جو علماء ہیں ان کی بات کریں گے ان شاءاللہ لیکن یہ قاعدہ اچھی طرح جان لیں کہ جب میں سوال کروں اس قاعدے کے تعلق سے کہ ذات پر جو ہم بات کرتے ہیں وہی صفات پر بھی ہونی چاہیے یا صفات پر بات کرنا ذات پر بات کرنے کی مانند ہے اور بعض صفات کی بات کرنا بعض صفات کی مانند ہے تو یہ چیزیں جو ہیں لازمی ہمیں سمجھنی چاہیئں کہ کیوں ہیں اور ہم کیوں یہ باتیں کرتے ہیں۔
دیکھیں میرے بھائی یہ کوئی خیالی باتیں نہیں ہیں یہ پریکٹیکل باتیں ہیں لوگوں میں بدعقیدگی موجود ہے:

لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا انکار کیا ہے عقل کی بنیاد پر انکار کیا ہے دلائل کی روشنی کو پس پشت ڈال دیا ہے اور اپنی عقل کو آگے کر کے ان تمام دلائل کا ردّ کر دیا ہے اور اکثر لوگوں کو سمجھ نہیں ہے۔ ہم ان علماء کی بات نہیں کر رہے عجب بات ہے کہ جو سب سے بڑے علماء تھے اُن کی اکثریت نے توبہ کی ہے مرنے سے پہلے! اشاعرۃ کے جو سب سے بڑے علماء تھے اُن کی اکثریت نے مرنے سے پہلے توبہ کی ہے اور حیرت اور ندامت تھی مرتے وقت کہ ہم نے کہاں زندگی اپنی گنوادی ہے، واللہ! تو لوگوں کو زندگی ساری گمراہ کرتے رہے! اللہ تعالیٰ ان کی توبہ قبول کر لے مرنے سے پہلے اگر وہ توبہ کر چکے ہیں لیکن یہ جو کچھ کیا ہے زندگی ساری کیا کیا ہے؟! وہ خود کہتے ہیں کہ وقت ضائع کیا ہے ہم نے! قیل وقال کے پیچھے لگے ہم، کاش کہ ہم فطرت کے مطابق وہی عقیدہ رکھتے جو نیساپور کی بوڑھیوں کا عقیدہ ہے جو فطرت پر قائم ہے!

کسی بزرگ سے پوچھیں کسی دور دراز علاقے میں کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ سیدھا آسمان کی طرف اشارہ کر کے کہے گا کہ آسمانوں پر ہے عرش پر ہے، کبھی زمین کی طرف اشارہ کر کے نہیں گا کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے؛ یہ فطرت کے منافی ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر جگہ موجود ہے۔

یعنی دیکھیں یہ جو بدعقیدگی ہے فطرت کو مسخ کر دیتی ہے! (العیاذ باللہ)۔

واپس آتے ہیں آج کے درس کی طرف شیخ صاحب فرماتے ہیں (**شیخ عبد المحسن حفظہ اللہ**): "**الفائدة الخامسة**": پانچواں فائدہ:

"السَّلفُ لیسوا مُؤوِّلةً ولا مُفوِّضة"

(سلف نہ تو مؤوّلہ ہیں نہ ہی مفوّضہ ہیں)

اب مؤوّلہ کیا ہیں اور مفوّضہ کیا ہیں؟

- مؤوّلہ سے مراد تاویل سے کام لینے والے
- مفوّضہ سے مراد تفویض سے کام لینے والے

یہ جو لفظ ہے "مؤوّلہ، مفوّضہ" یہ سمجھ لیں پہلے: مؤوّلہ تاویل سے، مفوّضہ سے تفویض سے۔

1-تاویل کا مطلب یہ ہے کہ ایک لفظ کے دو معنی ہیں ایک قریب کا معنی ہے ایک دور کا معنی ہے، آپ ہمیشہ قریب کے معنی کو لیتے ہیں اور دوسرے معنی کو چھوڑ دیتے ہیں الّا یہ کہ کوئی قرینہ ہو جائے جس کی وجہ سے آپ نے قریب کے معنی کو چھوڑ کر دور کے معنی کو اپنا لیا ہے۔

جب بھی انسان کوئی بات کرتا ہے تو سیاق اور سباق کو دیکھا جاتا ہے کہ اس لفظ کے جس کے ایک سے زیادہ معنی ہیں مراد کیا ہے عمومی طور پر وہی لفظ اسی کے معنی میں لیتے ہیں دور کا معنی نہیں لیتے آپ الّا یہ کہ کوئی قرینہ کوئی اور دلیل ساتھ جڑی ہوئی ہو جس سے آپ کو پتہ چلے کہ یہ معنی مراد ہے یا وہ معنی مراد ہے۔

میں کہتا ہوں کہ میں نے گھوڑے پر شیر کو دیکھا جس کے دائیں ہاتھ میں تلوار ہے اس سیاق اور سباق میں آپ کو کیا لگا کہ میں کیا بات کر رہا ہوں گھوڑے پر کس کو دیکھا ہے میں نے؟ ایک بہادر انسان کو جس کے دائیں ہاتھ میں تلوار ہے۔ کسی کے ذہن میں یہ بات آئی ہے کہ میں نے گھوڑے پر جنگل کے شیر کو سوار ہوتے ہوئے دیکھا ہے؟ نہیں! اس میں شیر سے مراد جنگل کا جانور ہے یا بہادر انسان ہے؟ بہادر انسان ہے۔ کسی کو اعتراض ہے اس جملے پر؟ نہیں! کیوں؟ میں نے شیر کہا ہے شیر جانور کو کہتے ہیں یا بہادر انسان کو کہتے ہیں کسے کہتے ہیں بھئی؟! جانور کو۔

بنیادی طور پر قریبی معنی کیا ہے؟ شیر جانور ہی ہوتا ہے جنگل کا جانور، نوچنے والا جانور، خونخوار جانور؛ یہی لفظ جو ہے بہادری کے لیے بھی استعمال کیا جاتا ہے عربی زبان میں، انگلش میں، اردو میں ہر زبان میں تقریباً۔

تو آپ لوگوں نے کیوں سب نے مل کر کہا کہ میری مراد اس جملے سے بہادر انسان ہے نا کہ جنگل کا جانور جنگل کا شیر؟ کیونکہ سیاق اور سباق نے یہ قید لگائی ہے کہ جنگل کا جانور شیر جو ہے نہ تو گھوڑے پر سوار ہو سکتا ہے نہ ہاتھ میں تلوار اٹھا سکتا ہے ،قرینہ یہ ہے اب۔

اگر میں یہ کہتا کہ میں نے شیر دیکھا ذہن میں کیا آتا ہے کیا بہادر انسان دیکھا میں نے؟ شیر دیکھا۔

میں نے دوڑتے ہوئے شیر کو دیکھا ذہن میں کیا آئے گا؟ شیر دیکھا۔

یہاں پر کیوں نہیں کہا آپ نے بہادر انسان؟ قرینہ نہیں ہے سیاق اور سباق کیونکہ اصل جو معنی ہے شیر کا قریبی وہی لیتے ہیں دور کا معنی بہادری کا معنی ہم نہیں لیتے اِلّا کہ جب تک اس قریب معنی کی دور کے معنی تک کوئی وجہ نہ ہو سبب نہ ہو کوئی قرینہ نہ ہو۔

اسے کیا کہتے ہیں؟ تاویل۔

2- تفویض کیا ہے؟ تفویض سے مراد یہ ہے کہ ایک لفظ ہے جس کا معنی مجھے نہیں آتا اور میں کہتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے، تفویض کا مطلب ہے سپرد کرنا:

﴿وَاُفَوِّضُ اَمۡرِیۡۤ اِلَی اللّٰہِ﴾ (غافر:44) (میں اپنے معاملات اللہ تعالیٰ کے سپرد کرتا ہوں)

اور لغت کے اعتبار سے اور معنی کے اعتبار سے جب ہم بات کرتے ہیں نا تفویض کی خصوصی طور پر عربی الفاظ یا جملے کے تعلق سے مطلب یہ ہے کہ میں معنی نہیں جانتا ہوں اس معنی کو میں ان کی طرف سپرد کرتا ہوں جو جاننے والے ہیں۔

اب دو الفاظ ہیں "مؤوّلہ اور مفوّضہ"، اسماء صفات کے باب میں کیونکہ یہ قواعد اکثر اسماء وصفات کے تعلق سے ہیں تو جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے اسماء وصفات کا انکار کیا ہے (انکار کہتے ہیں تعطیل یعنی انکار کرنا) ہم کہتے ہیں نا کہ سب سے پہلا ہمارا اہل سنت والجماعت کا جو عقیدہ ہے اسماء وصفات کے باب میں ہم کیا کہتے ہیں؟

ہر وہ نام اور صفت جو قرآن مجید اور صحیح حدیث میں ثابت ہے ان تمام پر ہمارا ایمان ہے چار شرطوں کے ساتھ:

1- سب سے پہلی شرط ہے کہ بغیر تعطیل کے (بغیر انکار کرنے کے)۔

2- بغیر تحریف کے۔

3- بغیر تکییف کے۔

4- بغیر تمثیل کے یا تشبیہ کے۔

یہ چار ہیں تو جن لوگوں نے اسماء وصفات کا انکار کیا ہے اُس سے پہلے اُن لوگوں نے تحریف سے کام لیا ہے تاویل کے نام پر یا تفویض کے نام پر اینڈ کیا رزلٹ نکلا ہے؟ تعطیل۔ اصل مقصد تعطیل (انکار) کرنا ہے لیکن وہاں تک پہنچنے کے لیے اُن لوگوں نے تاویل کا لفظ استعمال کیا اور تاویل کے نام پر تحریف کر دی پھر اُس سے تعطیل لازم آگئی تو اصل میں ان لوگوں نے تاویل نہیں کی تحریف کی ہے یعنی اصل معنی کو بدل ہی ڈالا۔

تاویل میں اور تحریف میں کیا فرق ہے؟

- تاویل میں دو لفظ ہیں "قریب اور بعید" آپ قریب کے لفظ کو لیتے ہیں بنیادی طور پر اور دور کے لفظ کو چھوڑ دیتے ہیں بغیر قرینے کے۔
- تحریف سے مراد کیا ہے؟ کہ آپ نے لفظ کو چینج (Change) ہی کر دیا پورا۔

اسی مثال میں کہ میں نے دوڑتے ہوئے شیر کو دیکھا اس میں تحریف کیا ہے؟ کہ میں نے اسے بہادر انسان بنادیا ہے۔

سیاق اور سباق میں میں نے کہا کہ میں نے دوڑتے ہوئے شیر کو دیکھا بس تو کوئی کہتا ہے کہ اس سے مراد بہادر انسان ہے؛ میں نے کہا کہ میں جنگل کی بات کر رہا ہوں دو تین جانوروں کے نام بھی لے چکا ہوں اور دوڑتے ہوئے شیر کو بھی دیکھا ہے تو آپ یہاں پر بہادر انسان کہاں سے لے کر آئے ہو جانوروں کے بیچ میں یہ میرے کلام کی قول کی تحریف ہے کہ نہیں؟! میرا معنی مراد ہے یہ؟ میرا لفظ یہی مراد ہے؟ نہ لفظ نہ معنی مراد ہے یہ تحریف ہے۔ تو جس نے میری بات کی تاویل کی ہے حقیقتاً اُس نے تحریف کر کے میری بات کا انکار کیا ہے کہ نہیں تو اینڈر زلٹ کیا نکلا؟ انکار ہی نکلا۔

"تفویض": میں نے کہا کہ میں نے دوڑتے ہوئے شیر کو دیکھا کہتا ہے کہ پتہ نہیں مطلب کیا ہے شیر کا مجھے نہیں پتہ (بچہ ہے چھوٹا) میں بابا سے پوچھ کر بتاتا ہوں، بابا کے پاس گیا کہ بابا بتائیں میں نے سنا ہے ڈاکٹر صاحب کہہ رہے ہیں کہ دوڑتے ہوئے شیر کو دیکھا ہے یہ شیر ہوتا کیا ہے؟ کہتا ہے کہ شیر بہادر انسان کو کہتے ہیں۔ صحیح جواب دیا؟ غلط دیا ہے۔

اُس نے کہا کہ جنگل کا شیر ایک جانور ہوتا ہے جو خونخوار جانور ہوتا ہے اور تصویر بھی دکھادی کہ اسے شیر کہتے ہیں اب تفویض سے کام لیا بچے نے کہا کہ میں نہیں جانتا ہوں میں پوچھوں گا؛ کس سے پوچھوں گا؟ جو جانتے ہیں اُن سے جا کر پوچھوں گا۔

اسماء وصفات کے باب میں ایک کتاب ہے "کتاب التوحید" ابو منصور ماتریدی نے کتاب لکھی ہے اس میں لکھتے ہیں کہ اسماء وصفات کے باب میں اور صفات کے باب میں خصوصی طور پر ہمارے سامنے دو راستے ہیں کہ یا ہم تاویل سے کام لیں گے اگر تاویل نہ ہو سکے تو ہم تفویض سے کام لیں گے (اللہ تعالیٰ کی صفات کے باب میں یا تو ہم تاویل سے کام لیں گے یا ہم تفویض سے کام لیں گے)، اللہ تعالیٰ رحم کرتا ہے ہم یہ کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ اُجر و ثواب دینا چاہتا ہے۔ اُجر و ثواب کا دینا اور رحم کرنا دونوں ایک چیز ہیں؟ نہیں!

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں کتنی جگہ پر "الرحمٰن الرحیم" صفت رحمت کو بیان کیا ہے اسم کے اعتبار سے، صفت ہے، فعل بھی:

- ﴿ذُو الرَّحْمَةِ﴾ سبحان اللہ (رحم کرنے والا) (الکھف:58)؛ مختلف انداز سے۔
- ﴿يَرْحَمُ﴾؛ فعل کے اعتبار سے۔

یہ ساری چیزیں جو ہیں احادیث میں آئی ہیں۔

"اور رحمت کا معنی ہے اُجر و ثواب کا ارادہ کرنا (کیونکہ ارادے کو مانتے ہیں نا وہ (صفت ارادہ) تو اُجر و ثواب دینے کا ارادہ کرنا)۔

میرے بھائی! کہاں پر ارادہ کرنا اور صفت ہے اور کہاں پر رحمت کرنا؟! کہتے ہیں: "تاویل"۔

یا ہم کہتے ہیں کہ معنی کیا ہے الرحمٰن الرحیم کا؟ اللہ أعلم: "تفویض"۔

آیئے دیکھتے ہیں کہ یہ جو بات ان لوگوں نے کی ہے اور یہ کہنا کہ عربی زبان میں ہاتھ کا معنی ہاتھ جس سے پکڑا جاتا ہے اور ہاتھ کا معنی طاقت اور قدرت بھی ہے:

(۱) میں کہتا ہوں کہ میں نے پانی کی بوتل کو ہاتھ سے پکڑ کر پیا تو آپ یا کوئی کہہ سکتا ہے مطلب یہ ہے کہ میں نے اپنی طاقت اور قدرت سے پانی پیا یا ہاتھ سے جس سے پکڑا جاتا ہے میں نے پانی پیا؟ ہاتھ سے پانی پیا۔

(۲) جس کا ہاتھ نہیں ہے اور وہ کہے کہ میں نے اپنے ہاتھ سے پانی پیا وہ پی سکتا ہے اپنے ہاتھ سے؟ نہیں!

وہ یہ کہہ سکتا ہے کہ مجھے پانی پلایا گیا یا میں نے پانی پیا ہے؛ فرق ہے کہ نہیں ہاتھ سے پانی پیا، پانی پلایا گیا یا میں نے پانی پیا ہے؟

- اپنے ہاتھ سے پانی پیا، جھوٹ ہے۔
- مجھے پانی پلایا گیا، صحیح ہے۔
- میں نے پانی پیا، یہ بھی صحیح ہے۔

اسماء وصفات کے باب میں جب ہم بات کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھ ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے سورۃ ص میں: اے ابلیس تو نے آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو سجدہ کیوں نہیں کیا جس کو میں نے اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا؟ (ص:75)۔ عربی زبان میں ہاتھ جیسے میں نے بتایا ہے کہ صحیح ہاتھ کو بھی کہتے ہیں جس سے پکڑا جاتا ہے اور طاقت اور قدرت کو بھی کہتے ہیں اب جن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں کا انکار کیا ہے یہاں پر انہوں نے کہا ہے کہ ہاتھ سے مراد طاقت اور قدرت ہے صحیح اصل ہاتھ نہیں ہے جس سے پکڑا جاتا ہے۔

عربی زبان میں جب ہاتھ کی بات آتی ہے تو سب سے پہلے جو ہے کیا ہے اصل معنی اور دوسرا معنی؟

- شیر کا اصل معنی بھی ہے اور اصل معنی کے بعد اور معنی بھی ہے بہادری کا
- ہاتھ کا اصل معنی بھی ہے جس سے پکڑا جاتا ہے اور دوسرا معنی طاقت اور قدرت کا بھی ہے۔

نعمت بھی کہتے ہیں ہاتھ کو عربی زبان میں، میں نے ہاتھوں سے لوگوں کو دیا ہے یعنی جو نعمت اللہ تعالیٰ نے مجھے دی ہے وہ میں نے لوگوں کو دی ہے شیئرَ (Share) کیا ہے، سخاوت کو بھی کہتے ہیں کہ بندے کے بڑے ہاتھ تنگ ہیں کنجوس ہے، بندے کا ہاتھ جو ہے بڑا کھلا ہے مطلب سخی ہے تو سخاوت کا معنی کنجوسی کا معنی سب یہ ہاتھ کی طرف لوٹتے ہیں۔

جب ہم اسماء وصفات کے باب میں اللہ تعالیٰ کے ہاتھوں کی بات کرتے ہیں تو جو مؤوّلہ ہیں تاویل سے کام لینے والے انہوں نے کہا کہ ہاتھ کا جب ہم لفظ پڑھتے ہیں قرآن اور سنت میں اور تشبیہ لازم آتی ہے ہم کہتے ہیں کہ ہاتھ سے مراد طاقت اور قدرت ہے۔

قرینہ کیا ہے؟ تشبیہ۔ سمجھیں ذرا بات کو کہ مخلوق کے ہاتھ ہیں دو اور خالق کے بھی دو ہاتھ ہیں اگر ہم یہ کہیں کہ ہاتھ کا معنی وہ ہے جن سے پکڑا جاتا ہے جیسا کہ انسان کا ہاتھ ہے تو اس میں تشبیہ لازم آتی ہے خالق اور مخلوق کی اور اور تشبیہ خالق اور مخلوق میں کفر ہے ہم کفر سے بچنا چاہتے ہیں اس لیے ہمارے پاس ایک راستہ ہے کہ ہم دیکھتے ہیں عربی لغت میں عربی زبان میں ہاتھ کا معنی کیا ہے تو ہاتھ کے معنی کا دور کا معنی لیں گے تا کہ ہم اس قریب کے معنی سے بچ کر کفر سے بچ جائیں۔

دور کا معنی کیا ہے دکھائیں عربی زبان میں؟ طاقت اور قدرت، نعمت، مختلف الفاظ ہیں۔

- کیا اللہ تعالی کی جو نعمت ہے اور طاقت اور قدرت ہے اُس کی کوئی لمٹ (Limit) ہے؟

﴿وَإِنْ تَعُدُّوا نِعْمَةَ اللّٰهِ لَا تُحْصُوْهَا﴾ (النحل:18)۔

- طاقت اور قدرت: ﴿إِنَّ اللّٰهَ عَلٰى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيْرٌ ۝١٦٥﴾ (آل عمران:165): اس قدیر قدرت کی کوئی لمٹ (Limit) ہے؟ نہیں ہے

- اللہ تعالی کی طاقت کی ﴿ذُو الْقُوَّةِ الْمَتِيْنُ ۝٥٨﴾ (الذاریات:58) کوئی لمٹ (Limit) ہے؟ نہیں ہے۔

عربی زبان میں جب ہم کہتے ہیں دو اس سے مراد دو ہوتے ہیں یا لمٹ لیس (Limitless) ہوتا ہے بغیر لمٹ کے؟ دو ہوتا ہے۔

"میں نے آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو اپنے دونوں ہاتھوں سے پیدا کیا (ص:75)": دو نعمتیں ہیں دو قدرتیں ہیں دو طاقتیں ہیں دو سے دو ہی ہوتا ہے نا پھر تو کیا یہ قرینہ بنتا ہے؟ عربی زبان میں بھی نہیں بنتا! عربی لغت کے اعتبار سے بھی یہ قرینہ بنتا ہی نہیں ہے! دیکھیں تشبیہ تو دور کی بات ہے نا پہلے یہ تو ثابت کریں کہ دو سے مراد لمٹ لیس (Limitless) ہے کیونکہ اللہ تعالی کی طاقت اور قدرت کی کوئی لمٹ (Limit) نہیں ہے نا کوئی حد نہیں ہے! تو غیر محدود کو آپ نے حد ڈال کر دو نعمتیں دو طاقتیں دو قدرتیں کر دیا ہے کیا اللہ تعالی نے آدم علیہ الصلاۃ والسلام کو دو نعمتوں سے پیدا کیا ہے؟! اس میں اللہ تعالی کی دو طاقتیں لگی ہیں دو قدرتیں لگی ہیں؟! ناممکن ہے! عقل بھی نہیں مانتی!

اس لیے تمہارا یہ قرینہ غلط ہے اور جب قرینہ غلط ہے تو اصل معنی باقی رہے گا کہ نہیں؟ ہاتھ سے کیا مراد ہے؟ اصل ہاتھ اصل معنی۔

اسی طریقے سے آپ جتنی بھی صفات ہیں اللہ تعالی کی اسی ترازو پر تول کر بات کریں کہ جس لفظ کے ایک سے زیادہ معنی ہیں: رحمت ہے اس میں اُجر و ثواب کہ اللہ تعالی رحم کرتا ہے اور اُجر دیتا ہے نا، رحم کرتا ہے معاف کرتا ہے، غفور رحیم سب کہاں پر لے کر آئے ہیں؟ العفو۔

کہتے ہیں کہ نہیں اللہ تعالی ارادہ کرتا ہے اُجر و ثواب دینے کا، معاف کرنے کا ارادہ کرتا ہے خود معاف نہیں کر سکتا اللہ تعالی خود رحم نہیں کر سکتا! عجب دیکھیں! کیوں نہیں رحم کر سکتا؟ کیونکہ مخلوق رحم کرتی ہے نا اب رحم کرنے کے لیے دل کا ہونا چاہیے دل کو نرم ہونا چاہیے پھر شفقت ہونی چاہیے پھر اُس سے جا کر انسان رحم کرتا ہے تو خالق اس سے پاک ہے!

أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيطَانِ الرَّجِيمِ،إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُونَ؛

پھر کہتے ہیں کہ اگر یہ نہیں ہو سکتا (یہاں پھنس گئے نا اب عقل تو نہیں مانتی نا) جب تاویل سے کام نہ ہو تو کیا کریں؟ تفویض سے کہ بھئی معنی جانتے نہیں ہم؛ ہاتھ کا کیا معنی ہے جواب کیا ہے؟ اللہ أعلم۔

عربی زبان میں ہاتھ کا معنی نہیں جانتے؟! کہتے ہیں نہیں جانتے! کوئی بھی شخص عربی زبان میں آپ سے گفتگو کرتا ہے اور ہاتھ کا ذکر کرتا ہے تو آپ سمجھ لیتے ہیں پتہ ہے آپ کو کہ معنی کیا ہے۔

میں نے کہا ہے کہ میں نے بوتل اٹھا کر ہاتھ سے پانی پیا ہے، میں نے کہا ہے کہ میں نے ہاتھ سے موبائل پکڑا ہے، میں نے ہاتھ جیب میں ڈالا ہے یہ سمجھ آ رہی ہے جب قرآن میں پڑھتے ہیں اللہ تعالی کے ہاتھ کا ذکر آتا ہے کہتے ہیں اللہ أعلم!

الرحمٰن الرحیم اللہ أعلم! غفورٌ رحیم معنی؟ اللہ أعلم!

قرآن مجید کا ایک تہائی سے زیادہ جو ہے بلکہ آدھے سے بھی زیادہ ہم نہیں جانتے کہ معنی کیا ہے عجب ہے کہ نہیں؟! (سبحان اللہ)؛ یہ تفویض ہے۔

تو یہ تاویل اور تفویض ہے آیئے دیکھتے ہیں کہ شیخ صاحب کیا فرماتے ہیں، شیخ صاحب فرماتے ہیں **(شيخ عبد المحسن حفظه الله):**

یہ بات معلوم ہے کہ اس امت کے جو سلف ہیں صحابہ اور اُن کے تابعین بإحسان جو ہیں وہ اللہ تعالیٰ کے لیے وہ ثابت کرتے ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے لیے ثابت کیا ہے اور جو کچھ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کے لیے ثابت کیا ہے اسماء وصفات میں سے اس بنیاد پر جیسا کہ اللہ تعالیٰ لائق ہے اور شایان شان ہے، نہ تشبیہ سے کام لیتے ہیں نہ تعطیل اور انکار سے کام لیتے ہیں، نہ تکییف یعنی کیفیت سے کام لیتے ہیں خلف کے طریقے کے بر خلاف (سلف ہیں اُن کا یہ طریقہ ہے اور خلف جو بعد میں آئے ہیں جنہوں نے مخالفت کی ہے سلف کے طریقے کی اُن کو خلف کہتے ہیں) جو اللہ تعالیٰ کی صفات کی تاویل کرتے ہیں اور باطل معنی کی طرف انہیں پھیر دیتے ہیں، اور مفوّضہ کے بر خلاف جو یہ دعویٰ کرتے ہیں کہ یہ سلف کا طریقہ ہے۔

مؤوّلہ بھی خود مفوّضہ ہیں یا تاویل سے کام لیتے ہیں یا تفویض سے کام لیتے ہیں، تو مؤوّلہ نے یہ کہا ہے کہ یہی طریقہ ہے سلف کا یا تاویل سے کام لینا یا تفویض سے کام لینا جن میں اللہ تعالیٰ کی صفات کے بارے میں یہ کہتے ہیں کہ "الله أعلمُ بمراده بها" (اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے کہ اس سے مراد کیا ہے)۔

اور امام مالک نے سلف کے عقیدے کی وضاحت کی ہے "رحمه الله" اپنے اس مشہور جملے میں جب اُن سے یہ سوال کیا گیا اللہ تعالیٰ کی صفت استواء کے تعلق سے کہ "كيف استوى؟" (اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے کیسے مستوی ہے؟)، امام مالک رحمہ اللہ "امام دار الهجرة" معروف امام ہیں فرماتے ہیں:

"الاستواءُ معلومٌ، والكيف مجهولٌ، والإيمان به واجبٌ، والسؤال عنه بدعة"

- استواء معلوم ہے یعنی معنی معلوم ہے یعنی تفویض سے کام بند ختم!
- کیفیت مجہول ہے کیونکہ اس کی دلیل نہیں ہے۔
- اُس پر ایمان واجب ہے کیونکہ دلیل موجود ہے اور اللہ تعالیٰ نے کو د بیان فرمایا ہے کہ اللہ عرش پر مستوی ہے۔
- "والسؤال عنه بدعة" اور کیفیت کا سوال کرنا بدعت ہے کیونکہ نہ تو صحابہ نے سوال کیا ہے نہ ہی سلف نے سوال کیا ہے یہ بدعت ہے اس کی دلیل نہیں ہے۔

استواء عربی زبان میں "العلو والارتفاع والصعود" مختلف الفاظ ہیں معنی ایک ہے؛ بلندی ہے، اوپر کی طرف جانا ہے، یہ سارے معنی جو ہیں استواء کے ہیں۔ استواء سے معنی لینا "الاستيلاء" (قابض ہونا) یہ معنی عربی زبان میں بنیادی طور پر ہے ہی نہیں اسے معنی بنایا گیا ہے، یہ معنی عربی کے ایک شعر میں آیا ہے۔

اب شعر کی بات آگئی ہے عربی میں شعر کہتے ہیں ہم اردو میں شعر کہتے ہیں اب شعر سے مراد جنگل کا جانور ہے اس لفظ میں؟اب سب کو سمجھ آ رہی ہے کہ شعر سے مراد شعر وشاعری کی جو جملے ہوتے ہیں یہ مراد ہے:

قد استویٰ بشر علی العراق

من غیر سیف ودم مهراق

بشر ایک سپہ سالار تھا عراق پر اُس نے حملہ کیا عراق پر قابض ہو گیا اور شاعر نے کہا کہ استویٰ "بشر علی العراق" عراق پر بشر جو ہے وہ مستوی ہو گیا یعنی قابض ہو گیا (جنگ کے بعد حملے کے بعد انسان جب جنگ جیت جاتا ہے تو قابض ہو جاتا ہے نا تو کہتے ہیں کہ یہ جو ہے دلیل ہے کہ استواء کا معنی قابض ہونا ہے)۔

تو سلف نے سوال کیا جو سلفی علماء ہیں جس دن یہ بات آئی ہے استواء کے ردّ میں تو اُسی زمانے میں ہی یہ سوال کیا گیا ہے یہ سلف کے زمانے کی بات ہے کہ یہ شعر ہے کس کا؟ کہتے ہیں اُن لوگوں کے جواب میں کہ اُخطل کا شعر ہے۔ یہ اُخطل کون ہے؟ نصرانی ہے کرسچن ہے۔

ذرا غور سے سنیں کہ کرسچن ہے اُس کرسچن اُخطل نصرانی کا شعر وشاعری کا جو دیوان ہے اُس کو دیکھا گیا بعض علماء کہتے ہیں کہ اس میں یہ موجود نہیں تھا، اگر موجود بھی ہے تو اللہ تعالیٰ کے پاک کلام کو چھوڑ کر سلف کے اقوال کو چھوڑ کر ایک کرسچن شخص کی شعر وشاعری کو لینا یہ عقلمندی ہے؟! اسے دین کہتے ہیں اسے ایمان کہتے ہیں؟! اب عربی زبان میں استواء کا جو صحیح معنی ہے اُس کو چھوڑ کر دور کا معنی جو ہے ہی نہیں عربی زبان میں "الاستیلاء" (قابض ہونا) اُس کو لینا!

میرے بھائی! یہ کتابوں میں موجود ہے جب یہ جواب دیتے ہیں، ایک تو نصرانی ہے نصرانی خود تجسیم سے کام لینے والے کہ عیسیٰ اللہ کا بیٹا ہے عیسیٰ خود اللہ ہے عیسیٰ جسم ہے کہ نہیں؟! خود کفریہ عقائد رکھنے والے لوگ جو ہیں اُن کی بات کو لے کر قرآن مجید کی تفسیر کرنا یہ کوئی عقلمندی ہے؟! یہ کوئی دین وایمان ہے؟! وجہ کیا ہے؟ کہتے ہیں: اگر ہم کہتے ہیں کہ اللہ عرش پر مستوی ہے تو اس سے سمت لازم آتی ہے سمت مخلوق کے لیے ہوتی ہے اور اللہ تعالیٰ تشبیہ سے پاک ہے اور ہم تشبیہ سے بچنا چاہتے ہیں اس لیے ہم یہ کہتے ہیں کہ دور کے معنی کو لیں قرینہ یہ ہے۔

- ایک تو دور کا معنی ہے ہی نہیں۔
- اگر معنی ثابت بھی کیا جائے تو قرینہ بنتا ہی نہیں ہے کیونکہ جہاں پر اللہ تعالیٰ ہے عرش کے اوپر وہاں سمت ہے ہی نہیں۔

پتہ ہے سمت، جگہ، زمان ومکان، عرش سے اوپر کچھ ہے؟! یہ ساری چیزیں عرش سے نیچے ہیں ساری یہ مخلوقات ہیں یہاں پر جگہ بھی ہے سمت بھی ہے عرش سے اوپر تو ہے ہی نہیں سمت تو مخلوقات سے کیسے آپ تشبیہ دے سکتے ہیں؟!

کیونکہ صحیح حدیث میں آیا ہے: "کہ اللہ تعالیٰ تھا اور کچھ بھی نہیں تھا"۔ اللہ تعالیٰ تھا اور عرش بھی نہیں تھا کچھ بھی نہیں تھا پھر جب اللہ تعالیٰ نے عرش کو پیدا کیا ہے اور اللہ تعالیٰ عرش سے اوپر ہے تو اوپر کوئی سمت باقی ہے کوئی جگہ کوئی چیز ہے؟! یہ مخلوقات کے لیے ہیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ اگر عقل کی بات آپ کرتے ہیں تو زمین جو ہے سفیریکل (Spherical) ہے اس زمین میں آسمان ہمیشہ اوپر ہے یا کبھی نیچے بھی ہوتا ہے؟ زمین اور آسمان کی بات کرتے ہیں ہم آسمان کبھی نیچے ہو سکتا ہے؟ آسمان ہمیشہ اوپر ہے اور زمین ہمیشہ نیچے ہے۔

اس گلوب میں سفیر یکل (Spherical) زمین میں جب آپ دیکھتے ہیں اس طریقے سے کہ یہاں پر انسان کھڑا ہے اس کے لیے آسمان کہاں پر ہے ؟اوپر ہے۔ جو یہاں پر ہے انسان اُس کے لیے آسمان کہاں پر ہے ؟اوپر ہے۔

جو یہاں پر انسان کھڑا ہے اُس کے لیے آسمان کہاں ہے اوپر ہے نیچے ہے ؟ہاتھ کہاں ہے میرا؟ نیچے ہے۔

لیکن ہے اوپر تو یہاں پر سمت ہے باقی ؟! بھئی روزمرہ زندگی میں ہم سمت متعین نہیں کر سکتے اس زمین اور آسمان کے بارے میں ہم بات کر رہے ہیں یہاں پر کبھی نہیں کہہ سکتے کہ آسمان نیچے ہے ! آسمان زمین پر ہے تو لوگ کہیں گے پاگل ہے آسمان کہاں زمین پر آسکتا ہے بھئی آسمان تو آسمان ہی ہے نا! آسمان کہاں پر ہے ؟ہم کہتے ہیں اوپر یعنی بلندیوں پر ہے۔

سات آسمان ہیں ﴿طِبَاقًا ۖ﴾ (ایک کے اوپر دوسرا) (الملک:3): پھر اللہ تعالیٰ کا عرش ہے اللہ تعالیٰ عرش کے اوپر ہے جب آسمان زمین پر نہیں ہو سکتے تو ربّ زمین پر کیسے ہو سکتا ہے ممکن ہے ؟!تو عقل بھی نہیں مانتی اس بات کو میرے بھائی! دلائل کی روشنی اگر یہ نہیں مانتے نہیں سمجھتے تو عقل کا بھی یہی تقاضہ ہے کہ ناممکن ہے! جب آسمان چھوٹی سی مخلوق ہے میں بات کر رہا ہوں "السماءالدنیا"،السماءالدنیا جو پہلا آسمان ہے اس کا ایک حصہ ہے جو ہمیں نظر آتا ہے پانچ سو سال کی تھکنیس (Thickness) ہے اس کی، ہمیں جو نظر آتا ہے کتنا ہے پچاس بھی نہیں ہوگا بہت کم ہے، یہ گلیکسیز،اسٹارز (Galaxies, Stars) جو ہمیں نظر آتے ہیں السماءالدنیا زمین پر نہیں ہو سکتی کبھی، نیچے نہیں ہو سکتی زمین کے کبھی، کسی صورت بھی نہیں ہو سکتی! تو پہلا آسمان، دوسرا آسمان، تیسرا، چوتھا، پانچواں، چھٹا، ساتواں، پھر عرش پھر ربّ عرش کے اوپر ہے۔

ان ظالموں نے کیا کیا؟اُس عظیم ربّ کو عرش سے اُٹھا کر زمین پر کھڑا کر دیا اور کہتے ہیں کہ ہمیں ہر جگہ انوار نظر آتے ہیں (إنا لله وإنا إليه راجعون)۔

"**الاستواءُ معلومٌ**": معنی معلوم ہے۔

"**والكيف مجهولٌ**": کیفیت مجہول ہے نہیں جانتے ہم۔

"**والإيمان به واجبٌ**": عرش پر استواء پر ایمان لانا واجب ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے، اور سوال کرنا کہ کیسے مستوی ہوا؟ بدعت ہے کیونکہ اس سے پھر باطل معنی کی طرف آپ کو جانا ہی پڑے گا۔ کیسے؟ بھئی ہمیں کیا پتہ کیسے؟! معنی تو ہم نے بتادیا کہ معنی یہ ہے استواء کا اب کیسے کا سوال تم کرتے ہو تو کیسے کا سوال نہ صحابہ نے کیا ہے صحابہ نے اس آیت کو سنا کہ نہیں سنا؟ براہِ راست آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زبان مبارک سے سنا کہ نہیں سنا؟ کسی صحابی نے یہ سوال کیا کہ یارسول اللہ! ﴿اسْتَوٰى﴾ (طٰہٰ:5) تو "**كيف استوى؟**" یا فوراً ایمان کہ اللہ تعالیٰ عرش پر مستوی ہے ؟

چھوٹی کمسن بچی صحیح مسلم کی حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سوال کرتے ہیں: " أَيْنَ اللهُ ؟"(اللہ تعالیٰ کہاں ہے ؟) اُس جاریہ سے لونڈی سے، چھوٹی بچی ہے دَس سال سے کم عمر ہے (جاریہ) کیا کہا؟" فِي السَّمَاءِ"(آسمانوں سے اوپر ہے)۔

اُس نے کوئی اعتراض کیا کہ یارسول اللہ! آسمان پر تو ہے کیسے آسمان پر ہے ؟ نہیں!

سلف میں سے کسی نے سوال نہیں کیا؛ آپ کہتے ہیں کہ ہم حنفی ہیں فروع میں کیا امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے یہ سوال کیا اُن کے شاگردوں نے سوال کیا؟ مجھے ایک جملہ دکھادیں کہ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے کہا ہو کہ استواء کا معنی استیلاء ہے؟ استواء کا معنی کچھ اور ہے جو سلف نے لیا اُس کے علاوہ کوئی اور ہے؟

یہ امام مالک کا قول آپ کے سامنے میں نے بیان کر دیا ہے یہی قول امام ابو حنیفہ کا بھی ہے، امام شافعی کا بھی ہے، امام احمد بن حنبل کا اور تمام فقہاء محدثین کا ہے؛ اس کے خلاف کوئی ایک جملہ دکھادیں مجھے؟! ثابت ہے اُن سے، نہیں ہے تو بھئی کہاں سے باتیں آئی ہیں یہ؟!

نہ تو صحابہ کا یہ عقیدہ ہے، نہ تابعین کا ہے، نہ اتباع التابعین کا ہے، نہ چار اماموں کا ہے، نہ بڑے جو چھ محدثین ہیں اُن کا ہے نہ کسی اور محدث کا ہے، بہترین تین زمانوں میں سے کسی کا بھی نہیں ہے؛ بھئی سوال تو بنتا ہے ناکہ پھر تم لوگوں نے یہ بدعقیدگی کہاں سے لی ہے؟! (سبحان اللہ)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ عبد المحسن حفظہ اللہ): اہل سنت والجماعت جو ہیں معنی کی تفویض نہیں کرتے کیونکہ معنی معلوم ہے لیکن کیفیت کی تفویض کرتے ہیں۔

بعض لوگوں نے یہاں پر تہمت لگائی ہے کہ سلف مفوّضہ ہیں سلف نے کہا ہے کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے ہم نہیں جانتے یہ بات کس اعتبار سے صحیح ہے؟ کیفیت کے اعتبار سے صحیح ہے سلف نے کہا کہ کیفیت نہیں جانتے ہم اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھ ہیں کیسے ہیں جواب کیا ہے؟ "اللہ أعلم"؛ یہ تفویض ہے کہ نہیں؟

پھر سے سنیں کہ اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھ ہیں کیسے ہیں جواب کیا ہے؟ اللہ أعلم اسے کیا کہتے ہیں؟ "تفویض" اللہ کے سپرد کرنا کہ ہم نہیں جانتے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔ ہاتھ کا کیا معنی ہے؟ ہاتھ جس سے پکڑا جاتا ہے جو صحیح ہاتھ ہوتا ہے یہ معلوم ہے۔

تو سلف نے معنی کی تفویض نہیں کی ہے اہل بدعت نے کی ہے، کیفیت کی تفویض کی ہے کیونکہ ہم نہیں جانتے اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے، ہاتھ کی دلیل موجود ہے معنی بھی ہم جانتے ہیں، کیفیت کی دلیل نہیں ہے معنی بھی نہیں جانتے اُس کی کیفیت کا طریقہ نہیں جانتے ہم اس لیے ہم کہتے ہیں اللہ أعلم، اور دونوں میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔

اور جس نے یہ دعویٰ کیا ہے کہ سلف کا صحابہ اور تابعین میں سے کہ انہوں نے تفویض سے کام لیا ہے اللہ تعالیٰ کی صفات کے معنی میں تو وہ تین محاذیر میں پڑ گیا ہے:

1- کہ مذہب السلف کو وہ جانتا ہی نہیں ہے جاہل ہے کہ مذہب السلف کیا ہے۔

2- دوسرا اُن پر جہالت کی تہمت لگانا (سلف پر) کہ وہ جانتے ہی نہیں ہیں۔

3- اور تیسرا اُن پر جھوٹ باندھنا۔ یہ تین محاذیر ہیں۔

پہلی بات کہ مذہب السلف کو نہ جاننا جہالت سے کام لینا کیونکہ وہ جانتے نہیں ہیں کہ سلف کا مذہب کیا ہے اسماء وصفات کے باب میں، امام مالک نے جو بیان کیا یہ مذہب السلف ہے اسے نوٹ کریں اگر آپ یہ کہتے ہیں کہ میں زیادہ لمبے لیکچر نہیں سن سکتا مجھے سمجھ نہیں آتی تو صرف چار جملے ہیں: "الاستواءُ معلومٌ، والكيف مجهولٌ، والإيمان به واجبٌ، والسؤال عنه بدعة"۔

یہ تمام سلف کا مذہب ہے اسماء وصفات کے باب میں اس سے آسان کوئی ہو گا اور؟!

قرآن مجید کی آیات سمجھ میں نہیں آئی ہیں یاد کرنا مشکل ہیں، احادیث یاد کرنا مشکل ہیں یہ چار جملے سمجھ نہیں آتے! یہ خلاصہ ہے مذہب السلف کا اسماء وصفات کے باب میں۔

تو یہ شخص جس نے یہ کہا ہے کہ صحابہ کا طریقہ جو ہے تفویض کا ہے سلف کا طریقہ تفویض کا ہے تو تین محاذیر ہیں: سب سے پہلے وہ جانتا نہیں ہے وہ جاہل ہے کہ مذہب السلف ہے کیا، دوسرا ہے کہ سلف پر جہالت کی تہمت لگانا کہ وہ جاہل ہیں وہ جانتے نہیں ہیں۔

کیوں؟ کیا وہ جانتے نہیں ہیں؟ معنی نہیں جانتے کہتے ہیں اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے؟!

جو مفوّضہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ تفویض سلف کا طریقہ ہے، اللہ تعالیٰ کے دو ہاتھ ہیں کہتے ہیں اللہ أعلم، اللہ تعالیٰ رحمٰن اور رحیم ہے کہتے ہیں اللہ أعلم۔

کیا سلف کا یہ طریقہ ہے؟ جو یہ کہتے ہیں کہ سلف کا یہ طریقہ ہے معنی کے بارے میں تفویض سے کام لیتے ہیں (کیفیت کی بات نہیں کر رہے وہ) اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے تو تین محاذیر ہیں:

1-وہ مذہب السلف کو جانتا ہی نہیں ہے، امام مالک کا قول واضح ہے: "الاستواءُ معلومٌ": پہلے جملے میں ہی ردّ کر دیا ہے تفویض کا کہ استواء معلوم ہے؛ یہ کہا ہے کہ استواء اللہ أعلم؟! تفویض کے معنی میں استواء کا کیا مطلب ہے؟ استواء اللہ أعلم، یہ مفوّضہ ہیں۔

امام مالک نے فرمایا ہے: "الاستواءُ معلومٌ": استواء کا معنی ہم جانتے ہیں یہ تفویض ہے یا ردّ ہے تفویض کا؟ ردّ ہے تفویض کا۔

اب یہ جو کہتے ہیں کہ نہیں، سلف نے تفویض سے کام لیا ہے:

(۱) امام مالک کے قول کو لے لیں ترازو کے طور پر کیا وہ جانتا ہے کہ امام مالک کا یہ قول ہے یا جاہل ہے؟ جاہل ہے نہیں جانتا نا!

(۲) اس لیے اُس نے سب سے پہلے کیا کیا ہے؟ کہ وہ خود جاہل ہے مذہب سلف کیا ہے۔

2-دوسری بات، سلف پر تہمت لگانا کہ وہ جاہل ہیں معنی نہیں جانتے۔

جو معنی نہیں جانتا وہ عالم ہے یا جاہل ہے؟ جو کہتا ہے کہ میں نہیں جانتا ہوں اللہ بہتر جانتا ہے وہ جاننے والا ہے عالم ہے؟ نہیں!

تو سلف پر تہمت لگانا کہ وہ جاہل ہیں معنی نہیں جانتے جبکہ ایسا نہیں ہے: "الاستواءُ معلومٌ": واضح کر دیا ہے کہ میں جانتا ہوں؛ تو یہ کہنا جیسے شیخ صاحب یہ کہتے ہیں کہ یہ دعویٰ کرنا صفات کے باب میں "اللہ أعلم" اس سے مراد کہ ہم نہیں جانتے۔

3-اور تیسرا اُن پر جھوٹ باندھنا کہ سلف کا مذہب ہے جھوٹ ہے کہ نہیں؟! امام مالک کہتے ہیں: "الاستواءُ معلومٌ": کہتے ہیں کہ نہیں یہ سلف کا مذہب ہے وہ کہتے ہیں اللہ أعلم جھوٹ باندھا ہے کہ نہیں باندھا؟ صرف امام مالک پر نہیں تمام آئمہ پر، جتنے سلف ہیں صحابہ سے لے کر تمام آئمہ پر دور حاضر تک سب کو جھٹلا دیا ہے اور خصوصی طور پر صحابہ اور سلف کو جھٹلا دیا ہے کہ وہ کہتے ہیں اللہ تعالیٰ بہتر جانتا ہے۔

تو یہ جو ہیں تین محاذیر ہیں جن سے بچنا چاہیے کہ نہ تہمت لگائیں سلف پر جہالت کی، نہ خود اپنی جہالت کا ثبوت دیں اور نہ ہی جھوٹ باندھیں؛ آپ جانتے ہیں کہ جھوٹ جو ہے کبیرہ گناہ ہے اور تہمت لگانا اور گناہ ہے (سبحان اللہ) خاص طور پر سلف کے تعلق سے ایسی بات کرنا (إنا اللہ وإنا إلیہ راجعون)۔

اگلا قاعدہ جو ہے: "**الفائدة السادسة**": شیخ عبدالمحسن حفظہ اللہ فرماتے ہیں چھٹا قاعدہ:

"**كلٌّ من المشبِّهة والمعطِّلة جمعوا بين التمثيل والتعطيل**"

(تمام مشبھۃ اور معطلۃ جو ہیں انہوں نے جمع کیا ہے تمثیل اور تعطیل کو)

جس نے بھی تشبیہ اور تعطیل سے کام لیا ہے اُس نے تمثیل یعنی تشبیہ اور تعطیل کو جوڑ دیا ہے جبکہ دونوں الگ ہیں مشبھۃ ایک طرف معطلۃ ایک طرف اور حقیقت میں جو بھی تشبیہ سے کام لیتا ہے وہ تعطیل سے بھی کام لیتا ہے اور جو بھی تعطیل سے کام لیتا ہے وہ تشبیہ سے بھی کام لیتا ہے لازمی طور پر۔

تو دونوں نے جمع کیا دونوں بیماریوں کو تعطیل کو بھی اور تشبیہ کو بھی آیئے دیکھتے ہیں کیسے۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں: معطلۃ وہ ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کیا ہے اور ثابت نہیں کیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی شان ہے اور اُن کا شبہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کو ثابت کرنے میں تشبیہ لازم آتی ہے کیونکہ اُن کے تصور میں صفات نہیں ہو سکتیں جب تک کہ مخلوقات میں جو مشاہدہ ہے اُن سے نہ اُن کو جوڑا جائے۔

تو یہ تصور جو ہے کہ خالق اور مخلوق میں تشبیہ لازم آتی ہے اور جب خالق کی صفات کا اقرار کرتے ہیں ثابت کرتے ہیں اور مخلوقات کی صفات بھی موجود ہیں تو اس میں تشبیہ لازم آتی ہے یہ تصور جو ہے اُن کا غلط تصور جو ہے یہ تعطیل کی طرف انکار کی طرف اُن کو لے کر گیا ہے، آخر انکار ہی کرنا پڑا صفات کا۔

تو جس سے وہ بچنا چاہتے تھے اُس سے بُری طرف وہ چلے گئے ہیں: "**فكان ما وقعوا فيه أسوأَ مِمَّا فرُّوا منه**": جبکہ نتیجہ جو ہے کہ اللہ تعالیٰ پاک ہے معدومات کی تشبیہ سے کیونکہ کوئی ذات موجود نہیں ہے بغیر صفات کے۔

نتیجہ یہ نکلا کہ وہ کس چیز سے دور بھاگے؟ تشبیہ سے۔

کہ تشبیہ لازم آتی ہے تو کس چیز سے دور بھاگے؟ تشبیہ سے بچنا چاہتے تھے اینڈ کیا نکلا؟ انکار۔

حقیقت میں جس سے وہ بچنا چاہتے تھے "تشبیہ" اُس سے بچ سکے؟ اُس سے بُری تشبیہ کی طرف چلے گئے پتہ ہے! معدوم سے تشبیہ کر دی نا جو عدم ہے موجود ہی نہیں ہے اور اُس سے تشبیہ جو موجود ہے مخلوق اُس سے تشبیہ اور دونوں غلط ہیں۔

اللہ تعالیٰ کی تشبیہ موجودات اور معدومات جو موجود نہیں ہیں دونوں جائز نہیں ہیں دونوں کفر ہیں کہ نہیں تشبیہ خالق اور مخلوق کی؟!

انہوں نے کہا کہ جب ہم اللہ تعالیٰ کی صفات کا اقرار کرتے ہیں اور مانتے ہیں تشبیہ لازم آتی ہے تو تشبیہ سے بچنے کے لیے انکار کر دیا ہم لوگوں نے تعطیل سے کام لیا۔

جب اللہ تعالیٰ کی صفات کا انکار کیا تعطیل سے کام لیا ہے تو کوئی ذات ہو بغیر صفات کے ممکن ہے اُس کا وجود؟ نا ممکن ہے اُس کا وجود!

جب کوئی ذات بغیر صفات کے موجود ہو اُسے کیا کہتے ہیں؟ معدوم۔

تو تم نے موجود سے تشبیہ کا انکار کیا ہے مخلوق جو ہے لیکن ربّ کو معدوم سے تشبیہ تو دے دی ہے نا؟! وہ ذات جس کی کوئی صفات نہیں ہیں یعنی اُس کا کوئی وجود ہی نہیں ہے تو معدوم سے تشبیہ دی ہے کہ نہیں دی؟!

تو جس چیز سے وہ بھاگنا چاہتے تھے اُس سے بڑی مصیبت کی طرف گئے کہ نہیں؟! (سبحان اللہ)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ عبد المحسن حفظہ اللہ)، بڑی پیاری مثال ہے ذرا غور سے سنیں فرماتے ہیں: کہ یہ بات واضح ہوتی ہے اللہ تعالیٰ کی صفت الکلام کہ اللہ تعالیٰ کلام فرماتے ہیں اُن لوگوں نے تصور نہیں کیا اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کو ثابت کرنے کے لیے کہ حرف اور صوت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کلام فرماتے ہیں۔

حرف ہم جانتے ہیں کہ الفابیٹ (Alphabet) جو حرف ہیں لفظ جو ہیں اور صوت یعنی آواز، لفظ اور آواز وہ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کلام کرتے ہیں بغیر آواز کے اور بغیر لفظ کے۔

وہ کہاں سے کرتے ہیں یہ کہاں سے ہے؟ جو ماتریدیہ ہیں یا اشاعرہ ہیں کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کلام تو کرتا ہے لیکن کلام نفسی ہے، نفس کے اندر اللہ تعالیٰ نے کلام کیا ہے اور پھر الہام کیا ہے جبریل علیہ الصلاۃ والسلام کو خود اللہ تعالیٰ کا اپنا کلام نہیں ہے، جبریل علیہ الصلاۃ والسلام نے پھر کلام کیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم تک پہنچادیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے امت تک پہنچادیا ہے تو قرآن وحی ایسے ہمیں ملی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے خود کلام نہیں کیا اللہ تعالیٰ خود کلام نہیں کر سکتا کیوں؟ کہتے ہیں کہ عربی زبان میں کلام کو کلام نفسی بھی کہا جاتا ہے۔

اچھا تمہارے پاس اس کی دلیل کیا ہے کہ عربی زبان میں کلام کو کلام نفسی کہا جاتا ہے؟

پہلے تو مجھے یہ بتائیں کلام جو ہے جب انسان کہتا ہے کہ "میں نے کلام کیا ہے، میں نے بات کی ہے، میں نے کہا ہے" کسی کے ذہن میں یہ بات آتی ہے کہ میں نے نفس میں کہا ہے؟

میں نے خاموشی اختیار کی ہے اور میں نے کچھ کہا ہے کوئی جانتا ہے کیا کہا ہے؟ کوئی کہہ سکتا ہے کچھ کہا ہے؟ نفس میں تو بات کی ہے میں نے نا تو اس نفس کی بات کو کسی زبان میں کلام کہا جاتا ہے نہیں کہا جاتا نا؟! عربی میں بھی نہیں کہا جاتا۔

تو انہوں نے کیوں کہا کہ عربی میں کہا جاتا ہے؟ پھر شعر کی بات آگئی ہے کہتے ہیں کہ ایک شعر ہے اس میں؟ کس کا ہے؟ یہ بھی اُخطل کا ہے (اُن کو اخطل نے گھیر کر رکھا ہے یعنی گردن سے پکڑا ہوا ہے!)۔

اُخطل کا کیا شعر ہے اس میں؟ کہتے ہیں:

إن الكلام لفي الفؤاد وإنما

جعل اللسان على الفؤاد دليلا

(کہ اصل بات کلام کی نفس میں ہوتی ہے تو جو زبان ہے اُس پر دلالت ہے صرف اُسے ظاہر کرنے کے لیے)

اصل بات تو نفس میں ہی ہوتی ہے اصل بات تو دل میں ہی ہوتی ہے: "إن الكلام لفي الفؤاد": دل میں ہوتی ہے تو زبان کو اُس کو صرف بیان کرنے کے لیے ہی بیان کیا گیا ہے ورنہ زبان کی ضرورت نہیں ہوتی۔

اُخطل پھر وہی نصرانی کر سچن اس شعر کو دیکھا گیا ہے ملا ہی نہیں ہے اُس کے دیوان میں کہیں پر بھی نہیں ہے تو پھر کہاں سے آئی ہے یہ بات؟! کہتے ہیں کہ نہیں بس ہم نے دیکھا ہے، عربی زبان میں ہے ہم نہیں مان سکتے۔

قرینہ ڈھونڈا ہے تاویل کے لیے پھر تحریف کی پھر تعطیل کی ہے اصل بات یہ ہے۔

"حرف اور صوت": کوئی کلام بغیر حرف اور صوت کے ممکن ہے؟

میں ابھی کلام کر رہا ہوں آواز ہے کہ نہیں؟ حرف الفاظ ہیں کہ نہیں؟

کوئی کلام کسی زبان میں بھی ہو بغیر حرف بغیر لفظ کے بغیر آواز کے ممکن ہے؟ تو لازم ہے کہ جب بھی کوئی کلام ہوتا ہے تو اُس میں آواز بھی ہوتی ہے اور اس میں الفاظ بھی ہوتے ہیں جو سمجھے جا سکتے ہیں۔ واضح ہو گیا؟

آیئے دیکھتے ہیں کہ کیا یہ ممکن ہے قرآن اور سنت میں کوئی ایسی چیز موجود ہے جس کا ذکر کیا گیا ہے کہ کلام ہوا ہے حرف بھی ہے صوت بھی ہے لیکن مخلوقات سے تشبیہ ناممکن ہے؟ یہی بات ہے نا دلیل کی بات ہے نا آیئے دیکھتے ہیں۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں: ان کے نزدیک انہوں نے یہ تصور کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اگر حرف اور صوت سے کلام کرتے ہیں تو مخلوقات سے تشبیہ لازم آتی ہے اس لیے انکار کیا ہے کیونکہ اس سے لازم آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کلام کرے تو زبان ہونی چاہیے اور پھر "حُنجرة" گلے کو ہونا چاہیے "شفتين" دو ہونٹوں کو ہونا چاہیے۔

کیا اللہ تعالیٰ کے دو ہونٹ ہیں؟! دلیل نہیں ہے! کیا لازمی ہے کلام کے لیے گلے کا ہونا دو ہونٹوں کا ہونا ورنہ ہم نہیں مانیں گے؟! کیا خیال ہے لازمی ہے؟! نہیں ہے لازمی۔

آیئے دیکھتے ہیں شیخ صاحب فرماتے ہیں: کیونکہ وہ نہیں سمجھ سکتے مخلوقات میں اس کے سوا اور یہ جو غلط تصور ہے یہ مردود ہے کئی وجوہات سے۔ یہ تصور کہ کلام کرنے کے لیے لازمی ہے گلے کا ہونا زبان کا ہونا ہونٹوں کا ہونا، مخلوقات میں اس کے سوا کوئی تصور کیا نہیں جا سکتا اس لیے خالق کے کلام کو ردّ کر دیا ہے اس لیے یہ بات مردود ہے غلط تصور ہے کئی وجوہات سے:

1-پہلی وجہ یہ ہے کہ کوئی تلازم نہیں ہے اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کو ثابت کرنا اور تشبیہ سے کام لینا یہ لازم اور ملزوم نہیں ہیں، اثبات کے ساتھ تشبیہ کو جوڑنا اثبات تشبیہ کے ساتھ ہونا یہ باطل ہے اس میں کوئی شک نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ تنزیہ پاکیزگی بھی بیان کی جاتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ ۚ وَهُوَ السَّمِيْعُ الْبَصِيْرُ ⑪﴾ (الشوریٰ:11)

اللہ تعالیٰ نے سمع اور بصر کو ثابت کیا ہے اور تشبیہ کی نفی کر دی ہے، یعنی ثابت کرنے کے ساتھ آپ نفی بھی کر سکتے ہیں تشبیہ کی جیسا کہ اللہ تعالیٰ کی شان کے لائق ہے اور یہ حق ہے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں ہے۔

2-دوسری بات دوسری وجہ کہ جوانہوں نے دعویٰ کیا ہے کہ اثبات سے تشبیہ لازم آتی ہے اس وجہ سے انہوں نے انکار کیا ہے صفات کا اور اس سے یہ نتیجہ نکلا ہے کہ تشبیہ معدمات سے جو معدوم ہے اُس سے جا کر کی ہے جو اُس سے زیادہ بُرا ہے۔

اور بعض اہل علم کے کلام میں یہ گزر چکا ہے پچھلے فائدے میں جیسا کہ امام ذہبی نے حماد بن زید کی طرف یہ منسوب کیا ہے جو کھجور کے درخت کی بات آئی ہے کہ کسی نے کہا کہ ہمارے گھر میں کھجور کا درخت ہے لیکن اُس کے نہ کوئی پتے ہیں نہ کوئی اُس کی باڑی ہے نہ کوئی شاخیں ہیں نہ کوئی جڑیں ہیں کچھ بھی نہیں ہے، تو اُس سے یہ کہا گیا کہ تمہارے گھر میں کوئی کھجور کا درخت ہے ہی نہیں۔

تصور کیا جا سکتا ہے کہ کوئی چیز موجود بھی ہو بغیر صفات کے؟ نہیں تصور کیا جس سکتا!

یہ تصور ہی غلط ہے کہ کسی چیز کے وجود کے لیے آپ تشبیہ سے لازمی کام لیں ورنہ پھر اُس کا کوئی وجود نہیں ہوتا۔

3-تیسری بات کہ بعض مخلوقات میں یہ دیکھا گیا ہے کہ کلام ہے جو عام مشاہد مخلوقات ہیں اُن سے ہٹ کر (کلام ثابت ہوا ہے عام مخلوقات جو موجودات ہیں اُن کے کلام سے ہٹ کر یہ ثابت کیا گیا ہے)، مثال کے طور پر جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے پیارے پیغمبر صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو زہریلا گوشت کھلایا گیا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو کندھے کا گوشت بکری کا وہ پسند ہے کندھے کا گوشت جو ہے یہودی عورت نے جب دعوت دی اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت کھائی ہے اور جب گوشت کھانے لگے تو گوشت سے آواز آئی گوشت بول پڑا کہ نہیں؟ وہ جو کندھا تھا کندھا بول پڑا کہ یارسول اللہ! مجھ میں زہر ہے نہ کھایئے۔

تو کندھے نے جب بولا تھا اس کندھے کی زبان تھی دو ہونٹ تھے گلا تھا؟! یہ واضح دلیل ہے کہ جب کندھا بغیر زبان کے بغیر ہونٹوں کے اور بغیر گلے کے بولا لیکن آواز تھی کہ نہیں؟ حرف اور صوت تھا کہ نہیں؟ آواز بھی تھی لفظ بھی تھے کہ نہیں؟ تھے۔

تو عام مخلوقات سے تشبیہ لازم آتی ہے، جب بھی کسی کلام کو ثابت کرنے کے لیے یہ لازمی ہے کہ تشبیہ مخلوقات سے جو عام مخلوق ہے جس کی زبان بھی ہے اور گلا بھی ہے اور ہونٹ بھی ہیں نہیں لازم نا؟! تو ایک دلیل یہ ہے۔

اس کے علاوہ صحیح مسلم میں حدیث ہے سیدنا جابر بن سمرۃ روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا ہے کہ میں ایسا پتھر جانتا ہوں مکہ میں جو مجھ پر سلام کیا کرتا تھا نبوت سے پہلے میں ابھی بھی جانتا ہوں پتھر کون ہے۔

اب "السلام علیکم": پتھر کہتا ہے السلام علیکم پتھر کی زبان ہے پتھر کا گلا ہے پتھر کے ہونٹ ہیں؟ نہیں ہیں۔

کوئی کہے کہ پتھر کا گلا ہو گا تو مانوں گا میں پتھر کے ہونٹ ہوں گے تو پھر مانوں گا کہ پتھر نے کلام کیا ہے یہ حدیث کا منکر ہے کہ نہیں؟ منکر ہے نا حدیث کا حدیث میں آیا ہے؟! صحیح مسلم کی حدیث ہے۔

تو جب آپ نے یہ مان لیا ہے اور یہ لوگ بھی مانتے ہیں کہ پتھر نے کلام کیا ہے کہتے ہیں کہ یہ معجزہ ہے آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا مانتے ہیں، جو جہمی اور معتزلہ ہیں اور ماتریدیہ ہیں مانتے ہیں کہ پتھر نے کلام کیا ہے اور صحیح کلام کیا ہے اور آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے خود سنا ہے اپنے کان مبارک سے تو جب پتھر کلام کر سکتا ہے بغیر ہونٹ کے بغیر زبان کے اور بغیر گلے کے حرف اور صوت کو مانتے ہیں تو ربّ کریم کلام کیوں نہیں کر سکتا؟! اُس کے لیے لازمی ہے ہونٹ کا ہونا؟! مخلوق سے تشبیہ لازمی ہے؟!

کوئی کہہ سکتا ہے تشبیہ لازم آتی ہے نہیں مانتے کہ پتھر نے کلام کیا ہے؟

اور قرآن سے دلیل لے لیں آپ حدیث کا انکار کرتے ہیں قرآن کا انکار کر سکتے ہیں؟! آیئے دیکھتے ہیں۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ عبدالمحسن حفظہ اللہ): یہ تو بعض مخلوقات کا کلام ہے دنیا میں جو ثابت ہوا ہے یعنی حدیث میں آخرت میں دیکھیں اللہ تعالیٰ عزّوجل کا ارشاد ہے:

﴿اَلْيَوْمَ نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ وَتُكَلِّمُنَآ اَيْدِيْهِمْ وَتَشْهَدُ اَرْجُلُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَكْسِبُوْنَ ۝ ﴾ (یس:65)

سورۃ یس میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿اَلْيَوْمَ﴾: آج، قیامت کے دن۔

﴿نَخْتِمُ عَلٰٓى اَفْوَاهِهِمْ﴾: اُن کے منہ بند کر دیں گے۔

یہ انسان جو دنیا میں بولا کرتا تھا زبان کا استعمال کرتا تھا آج یعنی روز محشر میں قیامت کے دن زبان بند کر دی گئی ہے اب گواہی کے لیے کیا بولیں گے؟ اُس کے دونوں ہاتھ: ﴿اَيْدِيْهِمْ﴾: اُن کے ہاتھ بولیں گے، اُن کے پاؤں بولیں گے جو کچھ وہ کمایا کرتے تھے دنیا میں۔

جو کماتے تھے جو عمل کرتے تھے دنیا میں کہ کفر ہے شرک ہے بدعت ہے نفاق ہے، جو بھی بدکاریاں کرتے تھے اُس وقت یہ جسم یہ ہاتھ گواہی دیں گے؛ ہاتھ گواہی دیں گے بغیر آواز کے بغیر الفاظ کے؟!

گواہی سے مراد کیا ہوتی ہے؟ آواز ہی ہوتی ہے الفاظ ہی ہوتے ہیں نا ورنہ پھر خاموشی سے کوئی گواہی دیتا ہے!

میں گواہی دے رہا ہوں دی گواہی میں نے خاموشی میں؟! خاموش کو گواہ کہا جاتا ہے؟!

اچھا جب گواہی دیں گے جس کے اعضاء ہیں ہاتھ اور پاؤں وہ سنے گا کہ نہیں سنے گا ورنہ پھر گواہی اُس کے خلاف کیسے ہو گی؟! وہ رسوا کیسے ہو گا پھر؟!

اللہ تعالیٰ اُسے رسوا کرے گا نا روز محشر میں جب اُس کے جسم کے حصے گواہی دیں گے اگر وہ سنے گا نہیں تو پھر رسوا کیسے ہو گا پھر گواہی کیسے ہوئی؟! یقیناً آواز بھی ہو گی الفاظ بھی ہوں گے اور یہ شخص رسوا ہو گا (نعوذ باللہ)۔

دوسری آیت میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿حَتّٰٓى اِذَا مَا جَآءُوْهَا شَهِدَ عَلَيْهِمْ سَمْعُهُمْ وَاَبْصَارُهُمْ وَجُلُوْدُهُمْ بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ ۝ ﴾ (فصلت:20-21)

(جب وہاں پر پہنچیں گے (یعنی روز محشر میں) اُن پر گواہی دیں گے اُن کے کان اور اُن کی آنکھیں (اُن کا سننا اور دیکھنا بھی) جو سنا ہے وہ گواہی جو دیکھا ہے وہ بھی گواہی)) ﴿وَجُلُوْدُهُمْ﴾ اور اُن کی جو جلد ہے (Skin) یہ بھی گواہی دے گی ﴿بِمَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ﴾ جو کچھ وہ کرتے تھے) ﴿وَقَالُوْا لِجُلُوْدِهِمْ﴾: اور اُن لوگوں نے کہا اپنی جلدوں سے (یعنی سنا ہے تو کہا ہے نا اب اپنی جلد سے گفتگو کر رہے ہیں ﴿قَالُوْا﴾ یہ شخص جس کے خلاف اُس کی اپنی جلد نے گواہی دی ہے؛ اُس نے کچھ سنا ہے تو اُس سے گفتگو کر رہا ہے نا)۔

﴿لِمَ شَهِدْتُّمْ عَلَيْنَا﴾: کیوں ہم پر گواہی دے رہے ہو تم ہمارے خلاف؟

﴿قَالُوْٓا اَنْطَقَنَا اللّٰهُ الَّذِيْٓ اَنْطَقَ كُلَّ شَيْءٍ﴾: اللہ تعالیٰ نے ہمیں بلوایا ہے (نطق کسے کہتے ہیں؟ بولنے کو) جس نے ہر چیز کو بلوایا ہے۔

اب بولنا نطق اس میں کوئی شک وشبہ ہے کہ آواز ہے اور اس میں الفاظ ہیں؟! کسی کو شک ہو سکتا ہے؟!

اب یہ بندہ آواز اور الفاظ سے بات کر رہا ہے گفتگو کر رہا ہے اپنی جلد سے اور جلد گفتگو کر رہی تھی بغیر آواز کے بغیر الفاظ کے ممکن ہے؟! جب جلد نے جواب دیا ہے اور واضح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ہمیں بلوایا ہے تو بلوانے سے بولنے سے الفاظ آواز ہیں کہ نہیں؟!

جو انسان بولتا ہے بغیر آواز اور بغیر الفاظ کے بول سکتا ہے؟! اُسے بولنا کہتے ہیں کسی زبان میں؟! (سبحان اللہ)۔

﴿وَّهُوَ خَلَقَكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّاِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ ۝۲۱﴾: اور اسی نے تمہیں سب سے پہلے پیدا کیا ہے اور اسی کی طرف تمہیں لوٹ کر جانا ہے تاکہ تمہارا احساب لے۔

اور تم آج یہاں پر آکر کھڑے ہو حساب کے لیے کھڑے ہو تمہارے جسم کے حصے تمہارے خلاف گواہی دے دہے ہیں!

یہ انسان جب گناہ کرتا ہے سمجھتا ہے کہ میں نے اپنے جسم کو راحت دے دی ہے سکون دے دیا ہے۔

سود خود سود کھاتا ہے کہتا ہے کہ میں مالدار ہو جاؤں گا میں بڑے عیش کی زندگی گزاروں گا آرام کی زندگی گزاروں گا۔

زناکار زنا کرتا ہے وہ کہتا ہے کہ وہ عیش وآرام کے لیے زنا کرتا ہے مزے کے لیے زنا کرتا ہے (نعوذ باللہ)۔

ظلم کرنے والا ظلم کرتا ہے کسی کا حق چھینتا ہے کسی کی زمین پر ناجائز قبضہ کرتا ہے سمجھتا ہے کہ میں عیش وآرام سے رہوں گا۔

جسم کے عیش وآرام کے لیے ربّ کو ناراض کر دیا ہے اور کبیرہ گناہ کر لیے ہیں انجام کیا نکلا؟ جسم کے یہ حصے جنہیں دنیا میں تم ربّ کو ناراض کر کے راضی کرتے رہے اور راحت دیتے رہے ناجائز طریقے سے محرمات کا ارتکاب کرتے ہوئے آج روز محشر میں قیامت کے دن یہ تمہارے خلاف گواہی دیں گے اس سے بڑھ کر حسرت اور ندامت کیا ہو سکتی ہے؟! اس سے بڑھ کر رسوائی ذلت کیا ہو سکتی ہے؟! (نعوذ باللہ)۔

شیخ صاحب فرماتے ہیں (شیخ عبدالمحسن حفظہ اللہ): کیا یہ کہا جس سکتا ہے کہ کندھے نے پتھر نے ہاتھوں نے پاؤں نے نہیں کلام کیا سوائے زبان کے اور ہونٹوں کے؟ نہیں کلام کر سکتے بغیر زبان بغیر ہونٹوں کے کوئی کہہ سکتا ہے؟ نہیں کہا جا سکتا! یقیناً یہ جو مخلوقات ہیں انہوں نے کلام کیا ہے بغیر زبان کے اور بغیر ہونٹوں کے اور بغیر گلے کے۔

اب جب یہ مخلوقات ان میں پایا گیا ہے کہ کلام کرتی ہیں ان سے ہٹ کر جو مشاہد مخلوقات ہیں جنہیں ہم دیکھتے ہیں جیسے انسان ہے ہم بات کرتے ہیں جِن بات کرتے ہیں جانوروں کی آواز ہوتی ہے (بات تو نہیں کر سکتے لیکن آواز تو ہوتی ہے) اس کے لیے گلے کا ہونا آواز کا ہونا زبان کا ہونا یہ چیز لازمی ہوتی ہے یہ جو مخلوقات مشاہد ہیں جو بات کرنے کے قابل ہیں جو کلام کرتی ہیں مخلوقات جب یہ دیکھا گیا ہے کہ ان سے ہٹ کر بھی ایسی چیزیں ہیں جو کلام کرتی ہیں بغیر ہونٹوں کے اور بغیر زبان کے اور بغیر گلے کے تو ہم پر واجب ہے کہ ہم ثابت کریں اللہ تعالیٰ کے لیے کلام جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے بغیر مخلوقات سے تشبیہ دیئے ہوئے۔

اور اس سے یہ ثابت ہوتا ہے یہ بات واضح ہو جاتی ہے کہ معطلۃ جو ہیں انہوں نے جمع کیا ہے دونوں کو تعطیل اور تشبیہ سے، اور جو مشبھۃ ہیں دوسری طرف انہوں نے بھی اللہ تعالیٰ کی صفات کو ثابت تو کیا ہے لیکن جب مخلوقات سے تشبیہ دی ہے اور اُس کی طرف خود اضافہ کر کے یہ کہا ہے کہ جو تشبیہ ہے مانا ہے تو اصل بات یہ ہے کہ تشبیہ (نعوذ باللہ) تعطیل ہے اور انکار کرنا ہے۔

یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کے ہاتھ مخلوق کے ہاتھ جیسے ہیں تو اللہ کے ہاتھ کو مانا ہے؟ نہیں مانا ہے، یعنی اُس نے حقیقتاً انکار ہی کیا ہے کیونکہ خالق اور مخلوق میں تشبیہ دینا کفر ہے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ مخلوق جیسے ہاتھ نہیں ہیں اللہ تعالیٰ کی صفات مخلوق جیسی نہیں ہیں۔

جس نے اقرار کیا ہے اور تشبیہ سے کام لیا ہے تو اینڈ رزلٹ کیا نکلا ہے؟ تعطیل اور انکار۔

تو شیخ صاحب فرماتے ہیں: انہوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات کو ثابت نہیں کیا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان ہے اپنی مرضی سے خالق اور مخلوق کو تشبیہ دے کر برابر کر دیا ہے اس لیے ان کی بات کو نہیں مانا جائے گا اور حقیقتاً اُن لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی صفات کو نہیں مانا ہے اور اینڈ رزلٹ نکلا ہے نتیجہ نکلا ہے کہ ان لوگوں نے انکار کیا ہے اس لیے اس اعتبار سے وہ معطلۃ ثابت ہوئے یعنی انکار کرنے والے (واللہ أعلم)۔

سُبْحَانَكَ اللّٰهُمَّ وَبِحَمْدِكَ ، أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ أَسْتَغْفِرُكَ وَأَتُوبُ إِلَيْكَ

فائدے دو ہیں چھوٹے فائدے تھے زیادہ لمبے نہیں تھے سمجھانا کیونکہ ضروری ہے میں نے تھوڑا لمبا وقت لے کر سمجھا دیا ہے بات سمجھ میں آگئی ہے؟ کوئی اشکال کوئی ابہام ہے کسی کو تو سوال کر لے۔

یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ کلام کے لیے زبان کا ہونا ہونٹ کا ہونا یا گلے کا ہونا لازمی ہے کہ لازمی نہیں ہے؟ لازمی نہیں ہے۔ عام مخلوقات میں تو لازمی ہے نا جیسے انسان بولتا ہے لیکن کچھ ایسی چیزیں دیکھی گئی ہیں قرآن اور سنت میں جن کی طرف کلام کو منسوب کیا گیا ہے کہ حقیقتاً کلام کریں گے مجازاً نہیں۔ پتھر امجازاً بول رہا تھا یا کندھے نے مجازاً بولا ہے یا حقیقتاً بولا ہے؟ یہ لوگ بھی مانتے ہیں کہ حقیقتاً جو ہے کندھے نے کلام کیا ہے اور پتھر نے بھی کلام کیا ہے دنیا میں کیونکہ ایک تو روز محشر میں تو اور بات ہے نا جبکہ بات روز محشر دنیا اور آخرت کی نہیں ہو رہی بات ہو رہی ہے کلام کی کہ کلام بغیر زبان کے بغیر ہونٹوں کے بغیر گلے کے ہو سکتا ہے کہ نہیں تو یہ ثابت کیا گیا ہے کہ ہو سکتا ہے۔

تمہارا یہ کہنا کہ اللہ تعالیٰ کے لیے کلام کو ثابت کرنے کے لیے لازمی ہے کہ ہونٹ کا ہونا گلے کا ہونا اور زبان کا ہونا تو یہ بات غلط ثابت ہوئی نا لازم تو نہیں ہے نا؟!

جس بنیاد پر تم لوگوں نے اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کا انکار کیا ہے اور کہا کہ تشبیہ لازم آتی ہے تو کیا تشبیہ لازم آتی ہے؟! نہیں آتی ہے کیونکہ ایسی مخلوقات اور ایسی چیزیں پائی گئی ہیں جنہوں نے کلام کیا ہے بغیر مخلوقات کی تشبیہ سے۔

ہم کلام کرتے ہیں زبان ہے ہونٹ ہیں گلا ہے، پتھر نے کلام کیا ہے بغیر زبان بغیر ہونٹ بغیر گلے کے، بکری کے کندھے نے کلام کیا ہے بغیر زبان بغیر ہونٹ بغیر گلے کے تشبیہ لازم آئی ہے؟ نہیں! مانا ہے کہ نہیں مانا ہے بغیر تشبیہ ہے؟ مانا ہے۔

تو ربّ کے کلام کو کیوں نہیں مانتے ہو بغیر تشبیہ ہے بس بات ختم! واضح ہے؟

سوال: دو لفظوں میں اگر بولنا ہے معطلہ اور مشبہ نے تعطیل کیوں کی ہے تشبیہ کی بنیاد پر؟

جواب: تعطیل کیوں کی ہے؟ تشبیہ کی بنیاد پر کہ تشبیہ لازم آتی ہے اس لیے ہم نے انکار کر دیا ہے اس لیے معطلة مشبھة ہیں کہ نہیں؟ یعنی اُن کے ذہن میں سب سے پہلے کیا آیا؟ تشبیہ لازم آتی ہے تو انکار کر دیا۔ تو ہر جو انکار کرنے والا ہے وہ مشبھة میں سے ہے کہ نہیں؟ تشبیہ کرنے والا ہے کہ نہیں؟ وہ مانے یا نہ مانے تشبیہ کر کے اُس نے انکار کیا ہے، تشبیہ پہلے کی ہے پھر انکار کیا ہے۔

اور ہر مشبھة معطلة ہے جس نے تشبیہ سے کام لیا ہے اُس نے انکار کیا ہے کہ نہیں؟ جس نے کہا ہے اللہ تعالیٰ کے ہاتھ مخلوق کے ہاتھ جیسے ہیں ہاتھ کو مانا ہے؟ نہیں مانا نا! تو انکار کیا ہے کہ نہیں؟ تو ہر معطلة مشبھة ہے اور ہر مشبھة معطلة ہے دو لفظوں میں۔

سوال: اللہ کے اذن سے پتھر بول رہا ہے لیکن اللہ تعالیٰ خود نہیں بول سکتا؟

جواب: اللہ تعالیٰ کے حکم سے پتھر کلام کر سکتا ہے اللہ خود نہیں کلام کر سکتا ہے؟!

دیکھیں سبحان اللہ جب آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وہ گوشت کھا رہے تھے اس حدیث میں بیس سے زیادہ فوائد ہیں چھوٹی سی حدیث ہے کہ یہودیوں کی دعوت قبول کرنا، عورتوں کی دعوت قبول کرنا، وہاں پر جانا پھر بیٹھنا، پھر کھانا، اور پھر معجزہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم علم غیب نہیں جانتے۔ اگر یہ گوشت کا ٹکڑا نہ بولتا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پتہ تھا؟ نہیں! تو علم غیب کہاں سے جانتے ہیں؟! علم غیب مطلق سب کچھ جانتے ہیں؟!(سبحان اللہ)۔

تو اس سے یہ بھی فائدہ ہے اسی حدیث میں کہ بولنے کے لیے لازمی نہیں ہے زبان کا ہونا اور گلے کا ہونا اور ہونٹوں کا ہونا، اور معطلة کا اس میں ردّ ہے جو اللہ کے کلام کا انکار کرتے ہیں (سبحان اللہ)۔

ایک لقمہ منہ تک لیا تھوڑا سا کھایا، جو تھوڑا سا کھایا پھر فوراً بولا، اللہ تعالیٰ کی حکمت ہے پہلے بول سکتا تھا وحی آسکتی تھی، وحی آتی نا کہ اے میرے پیارے پیغمبر! مت کھائیے اس میں زہر ہے اس کو بولنے کی ضرورت کیا تھی؟ کوئی اور فائدہ ہو نہ ہو اہل بدعت کا ردّ اس میں واضح ہے جنہوں نے اللہ تعالیٰ کی صفت کلام کا انکار کیا ہے جو کہتے ہیں کہ لازمی ہے زبان کا ہونا اور گلے کا ہونا، یہی کافی فائدہ ہے (سبحان اللہ)،

اللہ أعلم۔

یہ رسالہ ڈاکٹر مرتضی بن بخش (حفظہ اللہ) کے آڈیو درس 006-قطف الجنی الدانی سے لیا گیا ہے۔ سبق لسانی اور تعبیر کی غلطی کو درست کر دیا گیا ہے۔ قارئین کرام سے گزارش ہے کہ اگر کوئی اور غلطی نظر آئے تو ضرور آگاہ کریں اور اس خیر کے کام میں شامل ہو جائیں۔

mp3 Audio